© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

"قارئین ترجمان القرآن" تک یہ مبارک اطلاع پہنچ چکی ہو گی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور میاں طفیل محمد صاحب جو پاکستان میں نظام اسلامی کے قیام کی کوشش کرنے کے جرم میں کسی عدالتی تحقیقات کے بغیر نظر بند کیئے گئے تھے، بیس ماہ کے بعد حکومت کی طرف سے رہا کر دیئے گئے ہیں۔ رہائی کی فوری وجہ تو لاہور ہائیکورٹ کا یہ رولنگ تھا کہ سیفٹی ایکٹ کے تحت کسی شخص کو مسلسل اٹھارہ ماہ سے زائد نظر بند نہیں رکھا جا سکتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ رائے عام کا دباؤ بھی اپنا کام کر رہا تھا اور حکومت گذشتہ دو تین ماہ سے ان حضرات کی رہائی کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ لیکن ہم ان سارے وجوہ سے قطع نظر کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ کے نزدیک ان حضرات کا جیل جانا تحریک اسلامی کی ترقی کے لئے ضروری قرار پایا تو یہ نظر بند کر دیئے گئے اور جب تحریک ہی کا یہ اقتضا ہوا کہ انہیں باہر آنا چاہیئے تو جیل کے پھاٹک از خود کھل گئے۔ بہر حال ساری ملت کے لئے یہ ایک مبارک موقع آیا ہے اور ہم اس کے آنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ترجمان کی ادارت ایک ایسی ذمہ داری تھی جسے مولانا سید ابوالاعلےٰ مودودی مدظلہٗ اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی غیر حاضری میں طوعاً و کرہاً سر انجام دینا پڑا ہے، ورنہ راقم الحروف اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے اس کا اہل کبھی نہ تھا اور یہ بوجھ میرے لئے ہمیشہ موجبِ تشویش رہا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ترجمان القرآن کی ادارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ہاتھوں میں منتقل ہو اور قارئین کی طرح راقم الحروف بھی اس سے ذہنی و روحانی روشنی حاصل کرے۔

نعیم صدیقی

اِن سطور میں ہم اس طبقے کی اُن تمام ذہنی گرہوں کو کھول دینا چاہتے ہیں جو دین و سیاست کی تفریق کے غیر اسلامی نظریئے نے ڈال رکھی ہیں۔

چھٹی صدی ہجری تک دین و سیاست کے درمیان جو آویزش بپا رہی تھی، اس نے ایک فیصلہ کن انجام پر پہنچنے کے بعد دین کو زندگی سے الگ ہٹا کر جامد مذہبیت کے سانچے میں ڈھلنے پر مجبور کر دیا۔ اس دور کے بعد سے لے کر اب تک جامد مذہبیت مسلسل ارتقاء کرتی رہی ہے اور بعض اکابر علمائے امت نے جو اصلاحی و انقلابی کوششیں سرانجام دیں وہ حالات کا رُخ بدلنے میں ناکام رہ گئیں۔

جامد مذہبیت کے فروغ پانے کے بعد مسلمان کے ذہن سے یہ بات تو بالکل نکل ہی گئی کہ اسلام کی دعوت میں کوئی انقلابی پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس کا طریق کار ایک بڑھنے اور پھیلنے والی تحریک کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یہ شعور بالکل ختم ہو گیا کہ اسلام نظامِ سیاست و تمدن کو اپنے نقشے پر ڈھالنا چاہتا ہے اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے وہ قیادت و اقتدار کی باگ ڈور پر بلا شرکتِ غیرے مکمل قبضہ چاہتا ہے۔ بخلاف اس کے اسلام کے سرپرستوں نے اسلام کو نظامِ کفر کے سائے میں ایک پر امن اور وفادار خادم کے مقام پر گرانے کی کوشش کی اور اسے ہر قسم کے ماحول میں "بے ضرر" دھرم بنا کر رکھنے کے لئے اپنی قوتیں صرف کر دیں۔

اس طرح جب "تحریکیت" کے بجائے اسلام میں جامد مذہبیت کے انداز پیدا کر دیئے گئے تو پھر دین کی دعوت، دینی نظم جماعت، دینی تحریک، دینی مقاصد، دینی طریق کار وغیرہ کے مفہوم میں بھی جمود سرایت کر گیا اور دینداری اور جمود باہم لازم و ملزوم ہو گئے۔ جن حضرات نے ایک طویل محنت کے بعد یہ صورتِ حالات پیدا کی ہے اُن کے سامنے اسلام کا ایک ایسی تحریک بن کے ابھرنا جو قوت کی باگ ڈور سنبھال کر زندگی کی ساری کارگاہ کو نئے انداز سے منظم کرنا چاہتی ہے، ایک ایسی انوکھی صورتِ حالات ہے جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ مخواہ اُپراتے ہیں اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ حرکت و عمل کا یہ سارا طوفان ایک ہنگامۂ دنیویت ہے اس میں دین کی اصل رُوح کارفرما ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اس نشوونما پاتی ہوئی تحریک پر جب نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی آنکھوں پر اُنہیں چند خاص اصطلاحات کی رنگین عینکیں لگا کر اس کا تجزیہ کرتے ہیں جو جامد مذہبیت کے تنگ تصورات کی حامل ہیں۔ ان تنگ تصورات کے تنگ پیمانوں سے جب وہ جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کو ماپنا چاہتے ہیں تو یہ پیمانے چھلک جاتے ہیں اور وہ زبانِ حال سے یہ کہتے ہیں کہ:-

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

پس اُن کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اُن کے مخصوص دینی پیمانوں سے جس دینداری کو نہیں ناپا جا سکتا وہ بھی مستند دینداری ہو سکتی ہے، بلکہ ان کے نزدیک جو کچھ جامد مذہبیت کے پیمانوں سے چھلک کے باہر گر جائے اسے لازماً دنیویت ہونا چاہیئے۔

اس طرح کے محدود مذہبی تصورات کو ذہنوں میں جگہ دے کر یہ سمجھنا آدمی کے لئے ممکن نہیں رہتا کہ ایک نشوونما پاتی ہوئی تحریک کس طرح چلا کرتی ہے، اسے ہر ہر قدم پر کس طرح نو بہ نو مراحل پیش آتے ہیں اور وہ انہیں کن کن طریقوں سے حل کرتی ہوئی آگے بڑھا کرتی ہے۔ اگر جامد مذہبیت کی بنیادی گرہ کھل جائے تو پھر باقی ساری گرہیں خود بخود کھل سکتی ہیں۔ اسلام کے تحریکی مزاج کو اگر سمجھ لیا جائے تو پھر اس حقیقت کا فہم کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ دین کی علمبرداری کرنے والے کسی کارواں کا راستہ کن کن وادیوں سے ہوتا ہوا اور کون کون سے موڑ مڑتا ہوا آخری نصب العین تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ ہمارے دینی حلقوں کے حضرات اسلام کی راہِ عمل اور اس کے مراحلِ کار کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی تحریکی فطرت کو پیشِ نظر رکھیں۔

جامد مذہبیت نے دعوتِ دین کی اصطلاح کو مروجہ تبلیغ کا محدود مفہوم دے کر جس سطح پہ گرا دیا ہے، وہ اسلام کے تصورِ دعوت و تبلیغ سے بہت ہی پست ہے۔ بخلاف اس کے جماعت اسلامی "دعوت" کی اصطلاح کو اُس کے جامع مفہوم کے ساتھ اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے۔ ہمارے سامنے صرف چند ابعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلطبیبی عقاید اور فقہی جزئیات پر وعظ کہنے اور انفرادی گفتگوئیں کر لینے کا پروگرام نہیں ہے، بلکہ ہماری دعوت اقامت دین کی دعوت ہے۔ ہم ایک غلط نظام زندگی کو اسلامی نظام زندگی میں بدلنے کے داعی ہیں۔ ہماری دعوت کا خطاب صرف افراد ہی سے نہیں، بلکہ معاشرے کے مجموعی وجود اور تمدن و سیاست کے ہمہ گیر ادارو ں سے بھی ہے۔ اس طرح کی وسیع عملی دعوت کے تقاضے صرف وعظ گوئی سے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ یہ دعوت اذان سے رجز تک کے سارے مراحل کو محیط ہے۔ یہ دعوت صرف لفظوں ہی سے نہیں دی جا سکتی بلکہ اس کی صداقت کی گواہی عمل و کردار کے مظاہرے سے دینی ناگزیر ہوتی ہے پھر یہ دعوت منتشر افراد کے ذریعے اپنے مقاصد کو نہیں پہنچ سکتی، بلکہ یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تنظیم جماعت کی متقاضی ہے۔ کبھی یہ دعوت ناصحانہ پیرائے میں دینی پڑتی ہے، اور کسی موقع پر ناقدانہ پیرائے میں، کبھی اس کے لئے نرم سے نرم انداز ڈھونڈ کے لانا پڑتا ہے اور کبھی یہ تقاضا کرتی ہے کہ گرم سے گرم پیرایۂ بیان اختیار کیا جائے۔ یہ دعوت ایک طرف تعاون علی البرّ کے لئے الفت و شفقت سے اپیل کرتی ہے اور دوسری طرف یہی وغلظ و نترك من یفجرك کا مظاہرہ کرنے کے لئے غلظت و شدت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے پھر یہ پہلے قدم پر جو کچھ ہوتی ہے، دوسرے قدم پر اُس سے زیادہ وسعت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر ہر قدم پر کسی نئے انداز میں اور زیادہ زور دار ہمہ گیری کے ساتھ نمودار ہوتی ہے —— یہاں تک کہ پورے معاشرہ پر چھا جائے۔ یہ دعوت لڑاتی بھی ہے۔ اور صلح بھی کراتی ہے، یہ توڑتی بھی ہے اور جوڑتی بھی ہے، اور مختلف احوال و منزلوں سے گذرتی ہوئی اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اجتماعی انقلاب کی دعوت دینے والی کوئی بھی جماعت ہو —— اسلامی یا غیر اسلامی —— درحقیقت اس کا وجود ہمہ تن دعوت ہوتا ہے۔ وہ اس وقت بھی دعوت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنا ابتدائی تعارف کرا رہی ہو اُس وقت بھی دعوت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی مخالف طاقتوں پر تنقید کر رہی ہو، اور اُس وقت بھی دعوت ہوتا ہے جب کہ وہ برسر اقتدار طاقتوں کے خلاف چارج شیٹ لے کے میدان میں آئے۔ کسی جماعت کا ایک اصول کے ساتھ موجود ہونا، اُس اصول کی کسوٹی پر پیشِ نظر حالات کو پرکھنا، اُس کے مطابق مختلف مسائل میں رائے دینا، اُس اصول کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نظام زندگی کی تبدیلی کا کوئی پروگرام پیش کرنا، اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُصول کا حق ادا کرنے والی قیادت کو برسرِ عمل لانے کی کوشش کرنا، یہ سب کچھ ہمہ تن اُس اصول کی طرف دعوت دینے کا ایک وسیع الاثر نظامِ کار ہے۔

بالکل اسی طرح جماعت اسلامی کا ایک اصول کی علمبردار جماعت کی حیثیت سے موجود ہونا، اور مختلف سرگرمیوں میں اس اصول کا مظاہرہ کرنا تمام تر دعوتِ دین ہے۔ اُس کا لٹریچر، اُس ، اس کے پوسٹر، اُس کے جلسے، اُس کے ریزولیوشن، اُس کے بیانات، اُس کی تنقیدیں، اس کے احتجاج، اس کے مظاہرات، اُس کی پالیسی، اُس کی مجلس شوریٰ کے فیصلے، اس کے ہفتہ وار، ماہانہ، سہ ماہی اور سالانہ اجتماعات، اس کی سوشل خدمات، اس کے کارکنوں کے ادبی حلقے، وغیرہ از سرتاپا اپنی مجموعی حیثیت سے اقامتِ دین کی دعوت ہیں۔ ایک اجتماعی انقلاب کی علمبردار جماعت کی سرگرمیوں کا مجموعہ دعوت ہوتا ہے، نہ یہ کہ دعوت اس کی سرگرمیوں کا ایک جزو ہو۔

جن اصحاب پر دعوت کا یہ تصور اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ واضح نہیں ہے، اُن کو جماعت اسلامی کی بہت سی سرگرمیاں دعوت کے ماوراء، بلکہ دعوت سے متضاد معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دعوتِ دین کو پس پشت ڈال کر یا اسے ایک گونہ کمزور کر کے کچھ دوسرے سیاسی کام کیے جا رہے ہیں۔ اس قسم کے حضرات جماعت اسلامی کی دعوت کے کسی نئے مرحلے میں داخل ہونے پر بہت اُپراتے ہیں کہ یہ کیا ہونے لگا۔ چنانچہ جب جماعت "مطالبۂ نظامِ اسلامی" کی ابتدائی تحریک لے کے آگے چلی تو بھی ان کو کھٹک ہوئی، پھر جب انقلابِ قیادت کی صدا بلند کی گئی تو اُس وقت بھی ان کو الجھن ہوئی، پھر جب شرکتِ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا تو بھی ان کو شکایت ہوئی کہ جماعت دین سے سیاست کی طرف لڑھک گئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اب جب "احتجاجی مظاہرے" کا نیا مرحلہ سامنے آیا تو اس پر ان حضرات کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ کجا دعوتِ دین اور کجا احتجاجی مظاہرے! حالانکہ یہ سب کچھ عین جائز اور حق ہے اور یہ سب کچھ دعوتِ دین سے الگ نہیں۔

یہ دعوتِ دین کا تصور جب تک درست ہو کر اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ ذہنوں میں جاگزیں نہ ہوگا ہمارے بہت سے معترضین اور خیرخواہ جماعت اسلامی کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا جانے کہاں سے یہ عجیب و غریب تخیل بھی دلوں میں آگھسا ہے کہ جو دین کی دعوت دے۔ وہ بس دعوت ہی دے، کچھ اور نہ کرے۔ ایک داعی جماعت کے لئے یہ جائز نہیں سمجھا جاتا کہ وہ اقتدار پر تنقید کرے یا اُس سے کسی اجتماعی حق کا مطالبہ کرے، یا اُس کے مظالم کے خلاف احتجاج کرے۔ اس نظریے کے لئے خود دین میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ بھی ایک نتیجہ ہے جامد مذہبیت سے متاثر چلے آنے کا

جہاں تک تنقید —— اور بالخصوص وقت کی قیادت پر تنقید کا تعلق ہے، یہ ہمیشہ دعوتِ اقامتِ دین کا ایک جزو رہی ہے، اور اربابِ اثر و اقتدار پر پبلک کے سامنے چارج شیٹ مرتب کر کے لانے کا کام تاریخ دین میں کوئی انوکھا کام نہیں ہے، بلکہ خود انبیاء علیہم السلام ہی نے اس ناخوشگوار فریضے کو ادا کر کے ہمارے لئے مثالیں قائم فرما دی ہیں۔ اس معاملے میں بہترین نظیر آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اُن تنقیدوں میں ملے گی جو دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ آپ نے وقت کے احبار و رہبان پر کی تھیں جن کے ہاتھوں میں رائے عام کی باگ ڈور تھی۔ پھر آپ کو اس کا واضح اور جامع نمونہ نبی صلعم کی دعوت میں ملے گا کہ آپ کی زبان سے جو الہامی خطبے نشر ہوئے تھے ان میں قریشِ مکہ کی معاشرتی لیڈر شپ، متولیانِ کعبہ کی مذہبی قیادت، شعراء و خطبائے قریش کی فکری و ادبی پیشوائی، سود خوارانِ مکہ کی معاشی سربراہ کاری، کاہنوں اور نجومیوں کے عالمِ تصوف کی عنان برداری اور اہل کتاب کی فقہی امامت پر انتہائی کڑی تنقیدیں موجود ہیں، بلکہ قرآن کی بعض سورتیں ان مقتدر عناصر کے خلاف کھلے کھلے چارج شیٹ بن کر نمودار ہوئی ہیں۔ اسی تنقید نے مخالفین تحریک اسلامی کے اخلاقی موقف کو کھوکھلا کیا، تب کہیں جا کر تبدیلی کے لئے راستے ہموار ہوئے۔

علاوہ بریں آپ اگر اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ صلحائے امت نے خلفاء و سلاطین پر بہت ہی بے لاگ تنقیدیں کی ہیں اور پھر اپنے جرم صاف گوئی کی خوفناک سزائیں برداشت کی ہیں، لیکن وہ کبھی اس پر راضی نہیں ہوئے کہ محض توحید و رسالت کے عقائد کی تلقین کر دینے پر اکتفا کریں اور پھر یہ سمجھ بیٹھیں کہ دعوتِ دین کا حق ادا ہو گیا۔ دور نہ جائیے، یہیں اپنے ملک کے اندر شاہ ولی اللہ دہلوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ملی کارنامہ دعوت کا جائزہ لیجئے، اس میں آپ کو حکمرانوں اور عوام کے تمام طبقات کے متعلق انتہائی تلخ تنقیدیں ملیں گی اور یہی حال شاہ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمتہ کی تحریروں کا ہے۔

عین اسی طرح خود مطالبہ بھی تحریک اسلامی کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طرف فرعون کے دربار میں خالص توحید کی دعوت دے کے جاتے ہیں، لیکن دوسری طرف وہی حضرت موسیٰ ہیں کہ ارسل معی بنی اسرائیل کا مطالبہ لئے ہوئے مصروفِ تقاضا نظر آتے ہیں، اور اس مطالبے کو منوا کے چھوڑتے ہیں۔ یا کوئی شخص گمان بھی کر سکتا ہے کہ خدا کے نبی نے دعوتِ دین کو پسِ پشت ڈال کر ایک سیاسی مطالبے کو اپنا مقصود بنا لیا تھا؟ نہیں یہ مطالبہ خود دعوتِ دین ہی کے تضمنات میں شامل تھا۔ بالکل اسی طرح دعوت کو لے کر چلتے ہوئے احتجاج اور مظاہرے کی منازل بھی آسکتی ہیں، یہاں تک کہ خدا کے انبیاء کو دعوت دیتے دیتے دنیا نے اس حال میں بھی دیکھا کہ تلواریں لئے عرصۂ پیکار میں وہ فریضہ انجام دے رہے ہیں جو دعوت اسلامی کے پاکیزہ نصب العین کے تحت لازم نہ ہو جائے تو دنیا کا مکروہ ترین فعل ہوتا ہے۔

پس دعوت کے غلط تصور اور تبلیغ کے غلط ذوق کی عینک سے اگر جائزہ لیا جائے تو پھر نتیجہ یہی ہوگا کہ وعظ و تلقین کے علاوہ جو کچھ بھی ایک تحریک سے صادر ہو وہ اس کی داعیانہ حیثیت کے منافی قرار پائے درحقیقت، یہ بات پلے باندھ لینے کی ہے کہ دعوتِ دین کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے نظام کو برپا کرنے کے لئے جتنے لوازم درکار ہوں ان کو فراہم کیا جائے اور جتنی رکاوٹیں حائل ہوں ان کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں مقاصد کے لئے جائز حدود میں جو جو کچھ بھی اقدام کئے جائیں گے وہ سب دعوتِ دین کی تعریف میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اقدام دعوت کو پسِ پشت ڈالنے والا ہے۔

یہ ہے صحیح تصورِ دعوت، اور اس تصورِ دعوت کے ساتھ کام کرنے والی جماعتوں اور تحریکوں کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ حضرات کو خاص طور پر "احتجاج" تحریکِ اقامتِ دین کے مزاج سے ناساز گار محسوس ہوتا ہے، بلکہ وجہ وہ اس بات کو لازم سمجھتے ہیں کہ ظلم کو بہر حال چپ چاپ سہنا چاہیئے اور اس کے خلاف رائے عام کو تیار کرنے یا اقتدار کو اس سے باز رکھنے کے لئے کسی طرح کی جنبش نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں بھی دعوٰے بلا دلیل ہے۔

اوّل تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلامی نظام کے سوا ہر نظامِ زندگی ایک مجسم و منظم ظلم ہوتا ہے اور اس ظلم کے خلاف تحریکِ اسلامی کا عین وجود ہی یکسر احتجاج ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ ظلم کرنے والے کو ظلم کرنے کے لئے کھلی چھٹی دیئے رکھنا دین کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ ظالم کا اگر ہاتھ پکڑا جا سکتا ہو تو ہاتھ پکڑنا چاہیئے اور اگر زبان ہی سے اسے ٹوکنا ممکن ہو تو زبان سے ٹوک دینا چاہیئے اور اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو جب تک یہ حالت قائم رہے دل سے ظلم کے خلاف نفرت کرنا لازم ہے —— اور حدیثِ نبوی کی رُو سے اسے ظالم بھائی کی خیر خواہی اور مدد کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے ظالم کو ظلم کی اجازت دے دینا اور کسی قسم کے احتجاج کی طاقت رکھتے ہوئے آواز نہ اٹھانا ظلم کے فروغ میں مدد دینے کے برابر ہے۔ خود قرآن نے بدیں الفاظ ہر انسان کو حقِ احتجاج دیا ہے کہ :۔

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم ۔

اللہ کسی کی زبان سے برائی کی پکار کو پسند نہیں کرتا' بجز اس کے جو مظلوم ہو۔

یعنی اسلام نے مظلوم فرد، مظلوم جماعت، مظلوم معاشرے اور مظلوم قوم کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والی طاقتوں کے خلاف احتجاج کی آواز بلند کرے۔ اس میں کسی طرح کی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ فی نفسہٖ احتجاج بالقول کا حق خدا کے انبیاء نے بھی استعمال کیا ہے چاہے اُس کا پیرایہ کچھ بھی رہا ہو۔ مثلاً :۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جب آزادی کے بند دروازے کھولے جانے کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ اُس ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جو اُن پر روا رکھا گیا تھا، چنانچہ وہ پورے معاملے کی تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور فرعون کے سامنے یہ سوال رکھتے ہیں کہ فما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن ۔ چنانچہ آپ کی بے گناہی نکھر کے سامنے آجاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے احسان جتانے پر یہ احتجاجی فقرہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

تلك نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل - | تیری کرم فرمائی جس کا مجھ پر تو احسان دھرتا ہے، یہی تو ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جب بے حیائی پر تل جاتی ہے تو آپ اسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

الیس منکم رجل رشید ؟ | کیا تم میں کوئی ایک سنجیدہ آدمی بھی باقی نہیں رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب وقت کے اقتدار پرست مفسدین کا ایک غول گرفتار کرنے آتا ہے تو وہ ایسے طرزِ عمل کے خلاف اظہارِ احتجاج کے لئے یہ فرماتے ہیں کہ جب میں ہیکل میں بیٹھ کر تعلیم دیا کرتا تھا تو اس وقت تو تم نے مجھے نہ پکڑا، لیکن آج تم لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لے کر چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح مجھے گرفتار کرانے آئے ہو؟

پھر ایرانی دربار میں جب نبی صلعم کے قاصدوں سے مساواتِ انسانی کے خلاف سلوک کیا گیا تو انہوں نے بھرے دربار میں اس طرزِ عمل کے خلاف اپنے جذباتِ حقارت کا پوری بے باکی سے اظہار کر کے اتمام حجت کر دیا۔

پس احتجاج کو تحریکِ اسلامی سے فی نفسہٖ کوئی منافات نہیں ہے۔ ایک اسلامی تحریک کا احتجاج خود دعوت بن جاتا ہے اور اس کے ذریعے حکومت اور رائے عام دونوں کے سامنے حق واضح ہوتا ہے اور باطل کی تردید ہوتی ہے!

سوال صرف احتجاج تک محدود نہیں ہے، بلکہ دین کے بہت سے رمز شناسوں کو اصل اختلاف احتجاجی مظاہروں سے ہے۔ مظاہرہ ان حضرات کے لئے ایک غیر دینی سی کارروائی ہے یا دنیوی سیاست کا ایک طریقِ کار ہے۔ یہ احساس بھی درحقیقت اسی بنیادی تصورِ دین و سیاست کے بگاڑ کا نتیجہ ہے۔ قابلِ غور یہ ہے کہ مظاہرے کی اصل حقیقت کیا ہے؟

ایک ہوتا ہے فرد کا احتجاج کسی فرد کے ظلم کے مقابلے میں، دوسری طرف ایک جماعت کا احتجاج ہوتا ہے کسی نظامِ اجتماعی کی زیادتیوں کے خلاف، اور ان دونوں کی حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ظالم فرد کے ظلم کا دائرہ محدود ہوتا ہے لیکن ظالم نظام کے ظلم کے اثرات دوررس ہوتے ہیں، چنانچہ ایک مظلوم فرد کی مظلومیت کے مقابلے میں ایک جماعت اور ایک قوم کی مظلومیت بہت بڑے درجے کی ہوتی ہے۔ آخر الذکر کی لپیٹ میں ہزاروں افراد بلکہ پورے ملک کا مفاد آتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس فرق کے پیشِ نظر ایک فرد کے محدود احتجاج کے مقابلے میں ایک جماعت کو وسیع تر احتجاج کرنا پڑتا ہے وہ ظلم کی مدافعت کیلئے ایک قوم کی قوم کے جذباتِ ہمدردی کو اپیل کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ چنانچہ فرد کا احتجاج اگر دو چار تلخ جملے کہہ دینے سے پورا ہو جاتا ہے تو ایک جماعت کو اسی مقصد کیلئے سینکڑوں تقریریں نشر کرنی پڑتی ہیں، فرد ایک خط یا درخواست لکھکر یا اخبار میں ایک مراسلہ شائع کر کے جس مقصد کو حاصل کر لیتا ہے، ایک جماعت اس کو حاصل کرنے کیلئے سینکڑوں لٹریچر، محضرناموں، ہینڈ بلوں اور کتبات (Placards) کو استعمال کرنے پر مجبور ہوتی ہے، فرد کے لئے دو چار آدمیوں سے مل کر جذبات کا اظہار کر دینا نتیجہ خیز ہو سکتا ہے لیکن جماعت کو پوری کی پوری قوم کے سامنے اپنے جذبات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے، فرد کی مظلومیت کا مظاہرہ کرنے کیلئے اُس کا چہرہ جتنا کام دے جاتا ہے، جماعت کو اتنے کام کیلئے ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ایک منظم طاقت کو بر سرِ عام لانا پڑتا ہے۔ پس اجتماعی نظام کے مظالم کے خلاف جماعتوں کے مظاہروں کی نوعیت ایک خاص طرح کی ہے اور اُن کا پیمانہ بہت وسیع ہوتا ہے۔

قدیم زمانے میں جبکہ حکومتیں شخصی ہوتی تھیں اور ان پر تنقید کرنے یا ان کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھانے یا ان سے کوئی مطالبہ کرنے کیلئے یہ کافی ہوتا تھا کہ آپ کسی طرح دربارِ سلطانی میں پیش ہوتے اور اپنی بات پہنچا دی لیکن آجکل کی حکومتوں کا دربار کسی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ ملکوں کی اصل حکمران طاقت رائے عامہ ہوتی ہے اور وزراء اور پارلیمنٹ کے ممبر اسکے نمائندے ہوتے ہیں۔ یہ نمائندے کسی مطالبے، کسی شکایت، کسی احتجاج اور کسی تنقید پر صرف اسی صورت میں توجہ دیتے ہیں جبکہ انہیں محسوس ہو جائے کہ رائے عام کا دباؤ اس کی پشت پر موجود ہے یہی بات عوام کے نمائندوں پر واضح کرنے کیلئے کہ کسی آواز کی پشت پر رائے عامہ کی طاقت موجود ہے مظاہرات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ دورِ حاضر کی حکومتوں کے عوامی طرز پر نشو و نما پانے کے ساتھ رائے عام کے مظاہرات ایک طبعی ضرورت کے طور پر ارتقاء پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور آج ان سے صحیح طور پر کام لئے بغیر کوئی تحریک پوری طرح کام نہیں کر سکتی۔

اگر مظاہرات کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس کی ماہیت صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک منظم طاقت نظامِ تمدن و سیاست کے خدا وندوں اور ملک کے عوام کو اپنے احساسات سے آگاہ کرتی ہے وہ یہ بتاتی ہے کہ اس کی نگاہ میں فلاں فلاں کارروائی مضر، غلط اور ظالمانہ ہے اور اس کی روک تھام کی جانی چاہیئے، بخلاف اس کے فلاں چیز کرنے کی ہے اور اسے عمل میں لانے کا اہتمام ہونا چاہیئے، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مظاہرہ بذاتِ خود بجز ایک دعوت اور ایک تبلیغ ہی ہوتا ہے وہ دعوت و تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں تنہا مظاہرہ غلط کو غلط اور صحیح کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح کہنے کی ایک عملی اور اجتماعی صورت کا نام ہے وہ منکر کو منکر اور معروف کو معروف کہنے کا ایک وسیع الاثر پیرایہ ہے۔

مظاہرہ صرف حکمران طاقت ہی کو خطاب نہیں کرتا، بلکہ وہ رائے عام کی تربیت کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ مظاہرہ عوامِ ملک کے سامنے ایک مسئلے کو پوری طرح ابھار کر اور وقت کا اہم ترین سوال بنا کر پیش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اسے جانتا ہو وہ بھی اُس پر سوچنے لگے اور جو اسے نہ جانتا ہو وہ بھی جاننے اور سوچنے پر مجبور ہو جائے، لوگوں میں اس مسئلے پر عام گفتگوؤں کا سلسلہ چھڑ جائے، دو طرفہ دلائل کا چرچا ہونے لگے، اور آہستہ آہستہ عوامی طاقت ایک حق کی حمایت اور اس کے برعکس باطل کی مزاحمت کے لیے یکسو ہو جائے۔

یہی مقصد تھا جس کے تحت حضرت امام مالکؒ نے عین اُس وقت جبکہ ان کو اونٹ پر سوار کر کے اور ان کے چہرے پر سیاہی لیپ کر مدینے کی گلیوں میں گھمایا جا رہا تھا تو اس وقت بآوازِ بلند عوام سے قدم قدم پر یوں خطاب کیا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے، جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور میں کہتا ہوں کہ جبر و اکراہ سے دلائی ہوئی طلاق عنداللہ نافذ العمل نہیں ہوتی۔ آپ یہ کلمات کہتے ہوئے ہمہ تن ایک مظاہرہ تھے، منصور کے غلط نقطۂ نظر اور اس کے ظالمانہ طرزِ عمل کے خلاف، اور اس طرح آپ رائے عام کو درحقیقت دین کی دعوت پہنچا رہے تھے۔

خود نبی صلعم نے جب ایک مرحلے پر آکر پوری طرح محسوس کر لیا کہ اہل کتاب ہمہ تن فتنہ ہیں اور روشن سے روشن دلائل بھی ان کے ضمیروں کو نہیں چونکا سکتے تو آپ نے آخری حربے کے طور پر ان کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود اہل بیت سمیت میدان میں آکر خیمہ زن ہو گئے۔ مباہلے کے طریق کار میں مظاہرے کا ایک پہلو بہرحال موجود تھا اور فریقین کا اختلاف آپ کے میدان میں آکر خیمہ زن ہو جانے سے پوری پبلک کے سامنے اہم ترین مسئلے کی حیثیت سے آگیا اور اہل کتاب کے فرار نے ان کی اخلاقی کمزوریوں کو اور آنحضور صلعم کی قوتِ یقین کو ساری دنیا کے سامنے واضح کر دیا۔ دلائل سے دعوت دیتے دیتے جب نبی صلعم نے مباہلہ کی یہ صورت اختیار کی ہو گی تو بظاہر یہ ایک انوکھی چیز محسوس ہوئی ہو گی لیکن درحقیقت یہ بھی دعوت ہی کی ایک شکل تھی جس کا روئے سخن اہل کتاب کے ساتھ ساتھ پوری رائے عام کی طرف تھا اور یہ ایک ایسا خطاب تھا جس نے ماحول کے ایک ایک کونے تک حق کی آواز پھیلا دی۔

پس مظاہرہ اگر جائز حدود میں رہے تو اپنی حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے دعوت کا ایک وسیع الاثر ذریعہ ہوتا ہے۔ —— اور فی نفسہٖ اس میں دینداری کی کوئی نفی نہیں پائی جاتی، الا یہ کہ اس کے لیے پیرایہ اور طریق کار غلط اختیار کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک خدشہ یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کے سیاسی طور طریقوں کو اختیار کر لینے سے تعمیرِ سیرت و تقویٰ کا پروگرام کمزور ہو جائیگا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ابتک جو سرمایۂ اخلاق و کردار جمع کیا جا چکا ہے وہ بھی نقصان کا شکار ہو جائے۔ پس اگر ان سرگرمیوں کو اختیار کرنا ہی تھا تو ابھی کافی مدت تک سیاسی مصروفیات سے بچ کر داخلی تعمیر کا کام مکمل کر لینا چاہیئے تھا۔

اس خدشہ کو سب سے پہلے خود جماعت اسلامی اور اس کے قائم کرنے والوں ہی نے پوری اہمیت کے ساتھ محسوس کیا تھا، اور اسی کے پیشِ نظر جماعت نے سات سال تک جلسوں اور مظاہروں سے اپنا دامن بچا کر پہلے وہ نئی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ان وظائفِ سیاسی کو پرانی روایات سے پاک کر کے نئے انداز میں سرانجام دینے کے قابل ہو۔

جماعتِ اسلامی اپنے حلقۂ اثر میں یہ گہرا احساس پہلے سے پیدا کر چکی ہے کہ سیاست کے خارجی اور نمائشی ہنگاموں کو اصل تحریک بنالینا اور ذہن و سیرت کی تعمیر کے لئے کوئی ٹھوس اہتمام نہ کرنا کبھی بھی ایک اسلامی تحریک چلانے اور اس کے نتیجے میں اسلامی نظام قائم کر دکھانے میں کارگر نہیں ہو سکتا۔ ایک جماعت کی اصل قوتِ کار سیاسی مظاہر نہیں، بلکہ اس کی محکم فکر اور اس کے کارکنوں کی ٹھوس سیرت ہوتی ہے۔ سیاسی مظاہر صرف ذرائع و وسائل ہیں جن کو وقتی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اختیار کرنا پڑتا ہے۔

جماعت اسلامی کے وجود میں آنے سے قبل تحریکِ مجاہدین سرحد کے بعد کوئی ایسا نظامِ جماعت موجود نہیں تھا جو اسلام کے خطوط پر افکار و کردار کو ارتقاء دینے کے لئے کوئی ٹھوس طریق اختیار کرتا، بلکہ اس دوران میں ہماری ساری سیاست محض خارجی مظاہر کے بل پر چلتی رہی ہے، اور خارجی مظاہر سے جذبات میں تو حرکت آتی رہی ہے لیکن شعور کی تربیت اور اخلاق کی تعمیر کا کوئی سامان نہ ہو سکا، بلکہ اُلٹا سیاست کے جذباتی مظاہر نے مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی کردار کو اور زیادہ خانہ خراب کر دیا ہے۔ چنانچہ جماعت نے ایک مدت تک ان جذباتی مظاہر کے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود ان سے اپنے کارکنوں کو پرہیز کرایا ہے تاکہ کہیں نمائش پسندی اور کھوکھلی ہنگامہ آرائی کی پرانی عادات میں پھر جان نہ پڑ جائے لیکن جب بہ اس پہلو سے اطمینان ہو گیا تو آہستہ آہستہ بتدریج سیاسی حرکت کے لئے مختلف ذرائع و وسائل کو باندازِ نو استعمال کیا جانے لگا۔

علاوہ بریں سیاست کے خارجی مظاہر ایک عرصۂ دراز سے اسلام کی حدود سے آزاد چلے آ رہے تھے جلسوں میں ہلڑبازی، تقریروں میں جذباتی اشتعال انگیزی، جلوسوں میں غنڈہ گردی، نعروں میں دشنام طرازی، پوسٹروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جھوٹا پروپیگنڈہ، ہینڈبلوں میں فتنہ انگیزی، مظاہرات میں بے وقری، ہڑتالوں میں جبر و تشدد، ہماری سیاست کا لازمہ بنے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ جماعت نے اس بے اسلام سیاسی ہنگامہ آرائی کے ناپاک مظاہر کے خلاف ایک شدید نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ نفرت ماضی کے ردِّ عمل کے طور پر بعض اصحاب میں حدِ ضرورت سے زیادہ پیدا ہوگئی ہے اور وہ مظاہرِ سیاست کو اسلامی حدود کی پابندی میں محدود ہو جانے کے بعد بھی اسی طرح مکروہ اور مضر سمجھتے ہیں جس طرح وہ اس سے پہلے تھے۔

ہم نے عند الضرورت ایک حکیمانہ تدریج کے ساتھ ان تمام ذرائع و وسائل سے کام لینا شروع کر دیا ہے جن کے بغیر کوئی تحریک عوامی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی، لیکن ان سب کو پرانی ناپاک روایات سے پاک کر کے اسلامی اصولوں کے خراد پر گھما کر از سرِ نو ان کی نوک پلک بنائی ہے، اور مظاہرِ سیاسی کی نوعیت کو بدل دیا ہے۔ ٹھوس علمی لٹریچر کے ساتھ ہم اب پوسٹروں اور ہینڈبلوں سے بھی کام لیتے ہیں، اپنے مخصوص اجتماعات کے ساتھ ساتھ ہم اب جلسہ ہائے عام بھی کرتے ہیں، اصولِ دین کی دعوت کے ساتھ ہم حکومت کی اصلاح کے لئے مطالبے اور ریزولیوشن بھی سامنے لاتے ہیں، اور زبان و قلم سے اظہارِ جذبات کے پہلو بہ پہلو مظاہرات سے بھی کام لیتے ہیں ——— اور آگے چل کے ہمیں دوسرے مختلف جائز طریقے بھی ذرائع و وسائل کی حیثیت سے اختیار کرنے ہوں گے۔

لیکن ہم نے سیاست کے ذرائع و وسائل کو اسلامی حدود کا پابند بنا کر اتنا بدل دیا ہے، کہ ہمارے پوسٹر ہمارے جلسے، ہمارے بیانات، ہمارے ریزولیوشن، ہمارے مطالبے اور ہمارے مظاہرے خود تعمیرِ فکر و سیرت کے نہایت موثر ذرائع بن گئے ہیں۔ وہ سیاست جو خالص دنیوی خطوط پر چلتی رہی ہے، اس کے مظاہر یقیناً سیرت و اخلاق کے لئے تباہ کن تھے، لیکن اب جبکہ سیاست کو دین کی شاہراہ پر ڈال دیا گیا ہے، اب یہ مظاہر خود تعمیرِ سیرت و اخلاق کے بہترین ذرائع ثابت ہو رہے ہیں۔ ہماری تمام سیاسی سرگرمیاں جماعت کے کارکنوں کے لئے بھی اور عوام الناس کے لئے بھی سنجیدگی، وقار، پابندیٔ وقت، احترام نظم اور اہتمام اخلاق کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ایک قابل قدر سامان بنتی جا رہی ہیں۔[1] اللہ کی اس عنایت پر ہم اُس کے صد در جہ شکر گذار ہیں۔

[1] جماعت اسلامی کے جلسوں کی مخصوص نوعیت سے پورا ملک پہلے ہی متاثر تھا۔ لیکن بحمد اللہ جماعت کے خاموش احتجاجی مظاہرے نے ہر مقام پر پہلے سے بھی زیادہ اچھا اثر ڈالا ہے۔ اور عام شہریوں کے علاوہ بعض سرکاری افسر اور پریس کے (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

وہ دنیا پرستانہ سیاست جس سے کنارہ کش ہوئے بغیر سیرت و تقویٰ کی تعمیر ممکن نہیں اُس کے ناپاک مظاہر سے جیسی نفرت ہمیں کل تھی ویسی ہی آج بھی ہے، لیکن سیاست کے اسلامی حدود میں پابند ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ اس کے معتدل اور متوازن مظاہر کو تقویٰ کے منافی اور سیرت کے لئے مہلک سمجھتے ہوں، اُن کے دل و دماغ میں یقیناً دین و سیاست کی تفریق کا نظریہ اب تک پناہ گزیں ہے۔ حالانکہ وہ سیاست جس کا محور نظامِ اسلامی کے قیام کا نصب العین ہو اور جس کے طریقِ کار کا ہر پہلو اسلامی حدودِ اخلاق کا پابند ہو، وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے ـــــ اور تمام نفل عبادات سے افضل عبادت ہے۔ یہ افضل ترین عبادت صرف ایسے لوگوں کے تقویٰ کے لئے تباہ کن ہوتی ہے۔ جو سیاست کی ذمہ داریوں کو دین سے الگ سمجھتے ہیں، لیکن جن لوگوں کے نزدیک سیاست کی ساری خدمات خود دین ہیں، وہ تو نظامِ اسلامی کے قیام کی جدوجہد میں جو قدم بھی اٹھاتے ہیں وہی ان کے لئے تعمیرِ تقویٰ کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ جماعت کے اکثر کارکنوں کا حال یہی ہے کہ وہ جب تانگے پر بیٹھے کوئی اعلان کر رہے ہوتے ہیں، کسی ہینڈبل کو تقسیم کرتے ہیں کسی جلسے کے لئے دریاں بچھا رہے ہوتے ہیں، دیواروں پر کوئی پوسٹر چسپاں کر رہے ہوتے ہیں، کسی اجتماع میں شرکت کے لئے معروفِ سفر ہوتے ہیں، اور اسی طرح جب وہ کسی مظاہرے میں کتبات لئے چوراہے پر کھڑے ہوتے ہیں تو وہ ان ساری ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے آقا کی اطاعت و عبادت کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ کیفیت صرف اُن قلوب کے لئے حرام کر دی جاتی ہے۔ جو اسلامی سیاست کو بھی دین سے الگ کوئی چیز شمار کرتے ہیں۔

پھر یہ امر بجائے خود قابلِ غور ہے کہ زندگی کی جنگاہ سے الگ بیٹھ کر تعمیرِ سیرت کرنے کے لئے میدانِ کار ہے کہاں؟ جسے پیراک بننا ہو، اسے بہر حال پانی کی موجوں کے اندر ہی پیرنا سیکھنا ہوگا۔ پانی سے باہر پیرنے کی کوئی تربیت گاہ اس آسمان کے نیچے کہیں موجود نہیں ہے۔ اخلاق و تقویٰ پیدا کرنے کے لئے روحانی کسرت کا کوئی مقررہ کورس نہیں ہے کہ ہنگامہ ہائے حیات سے الگ رہ کر پہلے اسے پورا کر لیا جائے اور پھر سندِ فراغت ملنے کے بعد اپنے آپ کو مختلف ذمہ داریوں میں معروف کیا جائے۔ اخلاق و تقویٰ

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کارکن بھی اس سے خاص طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ رفقائے جماعت کی طرف سے مسلسل حوصلہ افزا رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں۔

© rasailojaraid.com

تو زندگی میں کرنے ہی سے پیدا ہوتا ہے، اور اسی حد تک پیدا ہوتا ہے جس حد تک عملی سرگرمیوں میں حصہ لیا جا رہا ہو۔ خلوت میں رہیئے تو خلوت ہی کا تقویٰ پیدا ہوگا، جلوت کا تقویٰ خلوت میں نہیں آسکتا، اس کے لئے تو جلوت میں ہی آنا پڑیگا۔ کاروبار کا تقویٰ صرف کاروبار کرنے کے دوران میں پیدا کیا جاسکتا ہے، مسجد میں نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ میدانِ جنگ کا تقویٰ تیغ و تفنگ کے ہنگامے میں کود پڑنے والوں ہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ سبکسارانِ ساحل کو اس میں سے کوئی حصّہ نہیں مل سکتا۔ بالکل اسی طرح سیاسیات کا تقویٰ — جو عام انفرادی سرگرمیوں کے تقویٰ سے بہت ہی بلند مرتبہ ہے — سیاسیات سے دامن بچا کر پیدا کرنا ناممکن ہے، اسے جب بھی آپ پیدا کرنا چاہیں گے تو آپ کو لازماً میدانِ سیاست میں قدم رکھنا ہوگا۔ رضائے الٰہی کو اپنا مقصود بنا کر آپ حدود اللہ کی پابندی کرتے ہوئے جس سرگرمی میں بھی حصہ لیں گے وہ عین عبادت بن جائے گی اور آپ کے اندر اخلاق و تقویٰ کی تعمیر کا وسیلہ ثابت ہوگی، لیکن اگر یہ نہ ہو تو پھر آپ کو خود اپنی ہر حرکت پر محسوس ہوگا کہ یہ تو "دنیویت" ہے اور یہ تو ذہن و سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ اور اس طرح آپ آخر کار مجبور ہو جائیں گے کہ کسی خانقاہ میں جاکے پناہ لیں، اور پھر پڑے رہیں "تصوّرِ جاناں لئے ہوئے"۔

بلاشبہ آپ کو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے جو کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان میں دنیائے تصوف کا یہ "تصوّرِ جاناں" آپ کو نہیں ملے گا، بلکہ آپ جب بھی ادھر بڑھیں گے تو وہ غلط قسم کا تصوّرِ جاناں کہیں فضا میں کھو جائے گا اور آپ اس کے پیچھے ہاتھ پھیلائے ٹامک ٹوئیے مارتے پھریں گے، لیکن اس کا سراغ نہ ملے گا۔ بخلاف اس عالمِ خواب کے سے تصورِ جاناں کے ہماری سرگرمیوں میں آپ کو عالمِ بیداری کا ایک نیا تصوّرِ جاناں محسوس ہوگا، بشرطیکہ آپ دین و سیاست کی تفریق کے "حجابِ اکبر" کو چاک کرکے آگے بڑھیں۔

یہ بلاشبہ درست ہے کہ ایک جماعت کو عوامی دور سے قبل ایک دورِ ابتدائی تیاری اور تعارف کا عبور کرنا پڑتا ہے جس میں وہ سیاست میں براہ راست مداخلت کرنے کے بجائے بالواسطہ طور پر اثر ڈالتی ہے اور عملی انقلاب کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر سے ایک فکری انقلاب برپا کرنے کا اہتمام کرتی ہے لیکن یہ سوال کہ اسے کب تک فکری انقلاب ہی پر اپنی توجہ مرتکز رکھنی چاہئے اور عوامی دور میں قدم

(بقیہ بر صفحہ ۴۹)

© rasailojaraid.com